(**نوٹ**: یہ اصل کتاب کا آنلائن ورژن ہے۔ لہٰذا اصل کتاب اور اس آنلائن ورژن کے صفحات کے نمبرات میں فرق ہوسکتا ہے۔)

حجیتِ حدیث

در ردِ

موقفِ انکار حدیث

مولف

حافظ جلال الدین القاسمی

(فاضل دار العلوم دیوبند، ایم اے میسور یونیورسٹی)

ناشر

فیت والا پبلی کیشن ہاؤس

نام کتاب	:	حجیتِ حدیث در ردِ موقف انکار حدیث
مؤلف	:	حافظ جلال الدین القاسمی (ایم اے میسور یونیورسٹی)
سن اشاعت	:	اگست، ۲۰۱۴
ایڈیشن	:	پہلا ایڈیشن
صفحات	:	46
تعداد	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	محمد طٰہٰ
ناشر و مطبع	:	فیت والا پبلکیشن ہاؤس
نظر ثانی	:	ابوحمزہ

ملنے کا پتہ

عاصم عبداللہ فیت والا (ایم اے۔ ڈی ایڈ۔ ایم فل)

گولڈن ایجنسیز، سٹی کالج کے پیچھے، مالیگاؤں

9028182104

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
1	عرض ناشر	4
2	تصدیر	6
3	حدیث کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت	8
4	حجیت حدیث کے دلائل	11
5	تبیین رسول کی مثالیں	16
6	معیارِ تحقیق	21
7	ایک اعتراض اور اس کا جواب	22
8	احادیث کی حفاظت کا عملی اہتمام	23
9	عہد رسالت میں حدیث کی کتابت وحفظ کا ثبوت	24
10	امام بخاریؒ معصوم نہیں تھے	25
11	**تبیانا لکل شئی** کا مفہوم	26
12	**تفصیلا لکل شئی** (سورہ انعام: ۱۵۵) کا مفہوم	26
13	احادیث کے ضعیف وموضوع ہونے پر اعتراض	27
14	خبر واحد کی حجیت قرآن سے	30
15	خبر واحد کی حجیت حدیث سے	30
16	بخاری میں بدعتی راوی ہیں اس کا جواب	31
17	عذابِ قبر	32
18	حدیث ثلاث کذبات	33
19	حدیث زنائے قردۃ	34
20	نبی پر جادو کی حقیقت	35
21	دجال	40
22	ظہورِ مہدی	43

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

اسلام میں داخل ہونے کے لئے قرآن ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث کا انکار کردے تو اس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ مگر مستشرقین کے پیدا کردہ شبہات سے متاثر ہوکر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا ہوکر دائرہ اسلام سے نکل رہی ہے۔

فیت والا پبلیکیشن کی جانب سے اس سے قبل شائع ہونے والی کتاب ''**ردِ تقلید**'' کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اسکی توقع نہ تھی۔ اسے ہم اللہ کا فضل خاص ہی کہیں گے کہ پوری دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں اس کتاب کو انٹرنیٹ سے ڈاؤنلوڈ کیا گیا اور بیرون ممالک میں بعض شیوخ جنہوں نے فن حدیث میں ڈاکٹریٹ کیا ہے اس کتاب کی تخریج، تحقیق، تسہیل، اور تقدیم کے ساتھ شائع کرکے اسے کثیر تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے۔

اس بار عوام کی شدید خواہش پر شیخ جلال الدین قاسمی حفظ اللہ نے فتنہ انکارِحدیث کے حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس موضوع پر کتابیں بہت ہیں مگر انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ اور عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہیں اشکالات وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جنہیں عام طور پر منکرین حدیث بڑے طمطراق کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرکے انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ کتاب انکے پیش کردہ اشکالات وشبہات کو قلع قمع کرنے

کے لئے کافی وشافی ثابت ہوگی۔

مصنفِ کتاب کسی تعارف کے محتاج نہیں،وہ شریعت اور اسرار شریعت پر گہری نظر رکھتے ہیں۔اسکے علاوہ وہ ایک اچھے مناظر بھی ہیں اور تقریباً سات زبانوں اردو، بھوجپوری، ہندی، عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت کے ماہر ہیں۔موصوف کی انفرادیت یہ ہے کہ فارسی زبان کے شاعر ہیں۔انگریزی زبان میں بڑے بڑے ادباء کی کتابیں پڑھتے ہیں اور دنیا کی مشکل ترین زبان سنسکرت کے ادب اور خصوصاً اس کے گرامر پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

موصوف میدان خطابت کے کامیاب شہسوار ہیں۔ان کا ہر خطاب کتاب وسنت کے دلائل سے معمور ہوتا ہے۔۲ جولائی ۲۰۱۴ سے پیس ٹی وی(Peace Tv) پر انکے علمی خطابات ’’فیضان کتاب وسنت‘‘ نامی پروگرام کے تحت نشر کئے جارہے ہیں۔جنہیں دنیا کے ۱۵۶ ممالک میں دیکھا اور سنا جارہا ہے۔

امید ہے پہلی کتاب کی طرح اس کتاب کو بھی قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور کتاب کے ناشر کو مفید مشوروں سے نوازا جائے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کارِ خیر کو میرے اور میرے والدین کیلئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔آمین!

عاصم عبداللہ فیت والا

فیت والا پبلی کیشن ہاؤس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیر

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین . امابعد.

تاریخ کے ہر دور میں اللہ نے اپنی نعمت ہدایت اپنے بندوں کو عطا کرنے کے لئے جو انتظام فرمایا وہ ہمیشہ دو چیزوں پر مشتمل تھا۔(۱)الکتاب۔(۲)الرسول۔

دین کی مستقل تشریعی اصلیں یہی دو ہیں۔قرآن فضیلت اور تلاوت میں حدیث پر مقدم ہے،مگر نفس حجیت میں کتاب وسنت مساوی اور متوازی ہیں۔دونوں اصلوں کے حجت مستقلہ ہونے کے باوجود دونوں میں باہم اتنا ہی فرق ہے کہ کتاب اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے۔جس طرح عالم کی مراد علم آشنا اور صناع کی مراد صنعت آشنا ہی سمجھ سکتا ہے اسی طرح کلام رب کو ایک رب آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔اللہ کو اپنے بندوں سے جو بات کہنی ہے اس کا واسطہ الرسول ہی ہے۔الکتاب نے ہمیشہ بنیادی فکر پیش کی ہے اور الرسول نے اس فکر کے مطابق عملی زندگی کا مظاہرہ کیا۔الکتاب نے بنیاد فراہم کی اور الرسول نے عمارت اٹھائی، ہدایت کے حصول کیلئے جتنی اہمیت الکتاب کی ہے اتنی ہی الرسول کی ہے۔دونوں کو ایک دوسرے سے منفک نہیں کیا جاسکتا۔نبی کا اسوہ (حدیث) ایک ایسا فانوس ہے جو ہزاروں مجلی آئینوں سے منعکس ہوتا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے۔آپ ﷺ کا اسوہ اختیار کرنے کے لئے سب سے آگے آپ کے صحابہ کرامؓ آئے۔مبینِ کتاب کے اسوہ سے مزین یہ گلشن رسالت کے وہ عنادل تھے جنہوں نے اس طرز فغاں کا پورا ریکارڈ محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا۔اللہ نے انھیں اس مشن کے لئے منتخب فرمایا تھا۔جو اللہ کی کتاب قرآن اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کو بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا مستند وسیلہ بنے۔

تدوین حدیث کا آغاز عہد رسالت ﷺ ہی سے ہوچکا تھا۔ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بیان کے مطابق ۵۲ کے قریب صحابہ تھے جن کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔پہلی صدی کے اواخر تک اسلام عجمی تصورات سے محفوظ رہا۔دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں جہم بن صفوان ظاہر ہوا۔اس نے صفات باری کا انکار کیا۔پھر دوسری صدی میں خوارج نے حدِّ رجم کا انکار کیا کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

انکارِ حدیث کے بارے میں پہلا فرقہ معتزلہ کا ہے۔وہ وہی احادیث تسلیم کرتے تھے جو ان کی عقل پر

پوری اترتی تھیں۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ محمد ﷺ قرآن پہنچانے پر مامور کئے گئے تھے۔انہوں نے جو کہا اور کیا وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔مگر یہ فتنہ کچھ عرصہ میں روبہ زوال ہوگیا۔

تیرہویں صدی میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا۔پیدائش کی جگہ برصغیر پاک و ہند تھے۔سرسید احمد خاں، عبداللہ چکڑالوی، احمدالدین امرتسری، اسلم جیراجپوری اس کے علمبردار بنے اور غلام احمد پرویز نے اسے ایک منظّم مکتب فکر کی بنیاد دی۔

رفتہ رفتہ علم فروش اور بے ضمیر علماء اور عقلیت کے چاک پر نو بہ نو پیکر تراشنے والوں اور تفقہ کی خراد پر شریعت کے مقاصد اور تقاضوں کو چھیلنے اور مخالفِ دین امور کو اسلامی رنگ میں رنگنے والوں کی مارکیٹ کھل گئی۔مستشرقین میں ولیم میور اور گولڈزیہر نے حدیثوں کو مشکوک بنانے کا بیڑا اٹھایا۔انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ حدیث لکھنے کا کام نبیؐ کی وفات کے نوے سال بعد شروع ہوا۔منکرینِ حدیث نے کہا کہ دوسو برس بعد حدیثیں لکھی گئیں۔لہٰذا احادیث حجتِ شرعیہ نہیں۔

علماء ربانیین میں سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس فرقہ ضالہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور رسالہ میں قرآن حکیم سے احادیث نبویہ کا مستند اور قابل حجت ہونا ثابت کیا اور دسویں صدی میں جلال الدین سیوطیؒ نے خاص اسی موضوع پر **مفتاح الجنته فی الاحتجاج بالسنة** کے نام سے مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔اس کے بعد بے شمار علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔انہوں نے ثابت کیا کہ قرآن ایمان باللہ اور اس کے ساتھ ہی ایمان بالرسول کے حکم سے بھرا پڑا ہے۔جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ پر بحق الوہیت اور نبی پر بحق نبوت و رسالت ایمان لانا فرض ہے اور جس طرح اللہ کے احکام کو ماننا فرض ہے۔اسی طرح رسولؐ کے احکام کو ماننا بھی فرض ہے۔منکرین حدیث منصب نبوت کی حقیقت وعظمت اور جلالت ہی سے بے خبر تھے اسی وجہ سے انہوں نے احادیث رسول کی حجیت سے انکار کر دیا ان کے نزدیک احادیث مفتریات کا انبار ہیں اور یہ چودہ قرون کے محدثین و مفسرین کے استہزاء وتمسخر پر تلے ہوئے ہیں اور ان کی تحمیق وتجہیل میں ان کا قلم مسلسل رواں دواں ہے۔زیر نظر کتاب کا مقصد احادیث کی حجیت کو ثابت کرنا ہے۔

حافظ جلال الدین القاسمی

(فاضل دارالعلوم دیوبند،ایم اے میسور یونیورسٹی)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله و صحبه اجمعين. اما بعد.

جس طرح قرآن حکیم وحی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔

حدیث کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت

عن المقدام بن معديكرب عن رسول الله انه قال الا انى اوتيت الكتاب و مثله معه.

الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلّوه وما وجدتم فيه من حرام فحرّموه.الا لايحل لكم لحم الحمار الاهلى ولا كل ذى ناب من السبع ولا لقطة معاهد الا ان يستغنى عنها صاحبها فمن نزل بقول فعليهم ان يقروه.فان لم يقروه فعليه ان يعقبهم بمثل قراه. (ابوداؤد کتاب السنۃ)

مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز (یعنی احادیث)۔سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تمہارے لئے قرآن کافی ہے،(حدیث کی ضرورت نہیں) تو جو قرآن میں تم حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔سنو! پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں (اس کی حرمت قرآن سے منصوص نہیں) اس کی حرمت کا علم حدیث نبویؐ سے ہی ہوگا۔

جو لوگ حجیتِ حدیث کے منکر ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ آپ قرآن مجید کو جو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو اس کا کلام اللہ ہونا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ اس کا کلام اللہ ہونا قرآن سے معلوم ہوا تو یہ مکابرہ ہے کیونکہ اس صورت میں جو دعویٰ ہے وہی دلیل ہے اور یہ صریح غلطی ہے۔کیونکہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر سورہ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔اس میں کون سی دلیل تھی کہ ان کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا۔

ورنہ پھر یہ تسلیم کر لیجئے کہ قرآن کا کلام اللہ ہونا حدیث سے معلوم ہوا۔۔تو درحقیقت جو شخص حدیث کا منکر ہو وہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا منکر ہے کیونکہ قرآن بغیر حدیث کے حجت نہیں بن سکتا۔جس طرح کوئی شخص رسول کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح بغیر کلام رسول، کلام اللہ تک رسائی ناممکن ہے کیونکہ لغت کی رو سے اگر کلام کو حل کیا گیا تو اللہ کی مراد نہ ہوگی بلکہ اس شخص کی اپنی مراد ہوگی جب تک نبی ﷺ کسی آیت کی مراد نہ بیان کریں، وہ شریعت نہیں بن سکتی۔

ہر شخص مانتا ہے کہ کلام کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو کاغذ پر نہیں آسکتیں بلکہ ان کا تعلق لب ولہجہ سے ہوتا ہے۔اس کی مثال کیلئے اردو کا ایک جملہ سامنے رکھ لیں۔وہ جملہ یہ ہے ''کیا بات ہے''۔جملے کا لب ولہجہ بدلنے سے اس کا معنی بدل جائے گا۔اس جملے کو استفسارِ حال کیلئے، کبھی تعجب کیلئے تو کبھی تعظیم شان کیلئے تو کبھی تحقیر کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔اب اگر یہ جملہ کاغذ پر لکھ کر کسی شخص کو بھیج دیں تو کیا وہ شخص صرف اس جملے کو پڑھ کر متکلم کی مراد سمجھ لے گا؟۔۔ہرگز نہیں بلکہ جو کچھ وہ سمجھے گا وہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔

چنانچہ اگر یہ شخص تعجب کی حالت میں ہوگا تو اس کو تعجب کیلئے سمجھے گا اور اگر استفسار حال کا غلبہ ہوگا تو اسی کیلئے سمجھے گا۔بھلا کیفیات کو کاغذ پر کیسے لایا جا سکتا ہے۔۔؟ شاعر نے بہت اچھا کہا ہے۔

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

مصور تو محبوب کی صرف صورت بنا سکتا ہے لیکن محبوب کے ناز و انداز کو لفظوں میں کیسے ڈھال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک چیز ''عرف'' ہے یعنی کلام میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اہل زبان کے پاس ہی رہ کر سمجھا جا سکتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں ہندوستان کے ایک شہر میں ایک صاحب ایک انگریز کلکٹر کے میر منشی تھے۔ کلکٹر اگرچہ انگریز تھا مگر اس کو یہ زعم تھا کہ وہ اردو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔چنانچہ وہ میر منشی سے کہا کرتا کہ ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں تو بیچارے منشی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے کیونکہ ملازمت کا سوال تھا۔ایک دن کلکٹر

نے کسی بات پر جوش میں آکر میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا کہ منشی جی یقیناً ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں اس بار منشی کو بھی جوش آگیا انہوں نے سوچ لیا کہ ملازمت رہے نہ رہے اس کو جواب دے ہی دوں گا۔انہوں نے بھی میز پر مکہ مار کر کہا، صاحب بہادر! آپ اردو کی ابجد بھی نہیں جانتے۔یہ سن کر انگریز کلکٹر بڑا حیران ہوا اور کہا کہ تم میرا امتحان لے لو۔تو منشی جی نے کہا کہ اگر میں آپکا امتحان لوں گا تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے۔اب صاحب بہادر واقعی بغلیں جھانکنے لگا کہ اس کا کیا مطلب ہوا۔بہت غور کیا مگر خاک سمجھ نہیں آیا۔آخر اس نے کہا، منشی جی مجھے تین دن کی مہلت دو میں اس کا مطلب بتا دوں گا۔منشی جی نے کہا، تین دن نہیں سات دن کی مہلت لے لیجئے۔غرض اس نے اس لفظ کو لغت میں تلاش کیا۔مگر لغت میں کیا ملتا۔لغت میں ''بغل'' مل گیا ''جھانکنا'' مل گیا مگر مفہوم نہیں ملا۔آخر سات دنوں کے بعد اس نے کہا اس کا مطلب ہے کہ ہاتھ کو اٹھا کر بغل کو دیکھ لیا جائے۔

میر منشی ہنس پڑے، تب کلکٹر نے پوچھا کہ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟

میر منشی نے کہا کہ اس کا مطلب آپ کو میں اس شرط پر بتاؤں گا کہ آپ کبھی اردو دانی کا دعویٰ نہیں کریں گے۔چنانچہ اس نے اقرار کیا تو منشی نے بتایا کہ دراصل یہ جملہ تحیر سے کنایہ ہے یعنی اگر کلکٹر کا میں امتحان لوں تو وہ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

غرض کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو ''عرف'' سے متعلق ہیں۔غیر اہل عرف ان کو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو نبی ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔لہٰذا جو لوگ قرآن کو سمجھنا چاہیں وہ اہل عرف کی طرف رجوع کریں۔اس کی بہترین مثال سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے،

ولا تجعل يدك مغلولة الٰى عنقك ولا تسبطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا۔

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے۔

آیت کریمہ میں ہاتھ کو گردن سے باندھنا کنایہ ہے بخل سے اور اسے بالکل ہی کھول دینا فضول خرچی سے

کنایہ ہے۔

حجیتِ حدیث کے دلائل

پہلی دلیل:۔

حافظوا علی الصلوٰتِ والصلوة الوسطی وقوموا للّٰہِ قانتین﴿۲۳۸﴾ فان خفتم فرجالا او رکبانا فاذا امنتم فاذکرواللّٰہ کمّا علّمکم مالم تکونوا تعلمون﴿۲۳۹﴾

(البقرہ:۲۳۸-۲۳۹)

نمازوں کی حفاظت کرو بطور خاص درمیانی نماز کی اور اللہ کے لئے ادب سے کھڑے ہو پھر اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو چلتے پھرتے یا سواری پر نماز ادا کر سکتے ہو لیکن جب امن ہو جائے تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کوئی بیچ کی نماز ہے مگر قرآن سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بیچ کی نماز کون سی ہے۔۔؟ حدیث مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے۔

عن علی قال لما کان یوم الاحزاب قال رسول اللہ ﷺ ملا اللہ قبورھم وبیوتھم ناراً کما حبسونا و شغلونا عن الصلاۃ الوسطی حتی غابت الشمس۔

(مسلم کتاب المساجد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ انکی قبروں کو اور انکے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم بیچ کی نماز نہ پڑھ سکے۔ یہانتک کہ سورج ڈوب گیا۔

نیز آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت امن میں نماز کا کوئی خاص طریقہ ہے اور وہ طریقہ اللہ نے سکھایا ہے مگر پورا قرآن پڑھ جایئے۔ نماز کا طریقہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا معلوم یہ ہوا کہ نماز کا طریقہ اللہ نے کسی اور

ذریعے سے سکھایا ہے اور بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہی ذریعہ ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے۔

دوسری دلیل:۔

یُوصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ أَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَیَیْنِ فَإِن کُنَّ نِسَاء فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَإِن کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ... (النساء:۱۱)

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو کل ترکہ دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف حصہ ملے گا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکے نہ ہوں اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا اور ایک تہائی باقی بچے گا اور صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف ملے گا اور نصف باقی رہے گا۔

آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ باقی بچا ہوا حصہ (یعنی پہلی صورت میں ایک تہائی اور دوسری صورت میں نصف) کہاں تقسیم ہوگا۔۔؟ اس کا کیا مصرف ہے۔۔؟ مگر مصرف کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ ایک اور وحی آتی تھی۔

تیسری دلیل:۔

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ أَن یُکَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْیاً أَوْ مِن وَرَاء حِجَابٍ أَوْ یُرْسِلَ رَسُولاً فَیُوحِیَ بِإِذْنِهِ مَا یَشَاءُ إِنَّهُ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ (الشوریٰ:۵۱)

کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ سے بات کرے سوائے (۱) وحی کے ذریعے۔ (۲) پردے کے پیچھے سے۔ (۳) اللہ کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اس کے حکم سے اس چیز کی جو اللہ چاہے اس انسان پر وحی کرے، بے شک اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں کسی نبی یا رسول تک احکامِ الٰہی کے پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

۱) براہِ راست وحی کے ذریعے۔

۲)پردے کے پیچھے سے براہِ راست کلام۔

۳)اللہ کے حکم سے فرشتہ نبی ورسول پر اترے اوراس کو احکام الٰہی پہنچائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ان تین قسموں میں سے کون سی وحی ہے۔

اللہ فرماتا ہے:**وانـه لتـنزيل رب العلمين﴿۹۲﴾نزل به الروح الامين﴿۹۳﴾ على قلبك لتكون من المنذرين﴿۹۴﴾**(الشعراء)

یہ قرآن رب العالمین نے اتارا ہے۔اس کو روح الامین لے کر نبی کے دل پر اترا ہے تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

آیات بالا سے ثابت ہے کہ قرآن وحی کی تیسری قسم ہے۔اب وحی کی دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کا استعمال ہوا ہے اور وہ حدیث ہی کے نزول کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

منکرین حدیث کی طرف سے یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کے ساتھ اگر حدیث رسول کو بھی حجت شرعیہ مان لیا جائے تو شرک فی الحکم لازم آئے گا۔وہ عام طور پر اپنے مؤقف کی تائید میں تین آیتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱)**ان اتبع الا ما يوحى الى۔** (احقاف:۹)

میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔

(۲)**اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء۔**(اعراف:۳)

اللہ کو چھوڑ کر سرپرستوں کی اتباع نہ کرو۔

(۳)**ولا يشرك فى حكمه احداً** (کہف:۲۶)۔ وہ اپنے فیصلے میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

تقریر اعتراض یہ ہے کہ نبی وحی کی ہی اتباع کرتا ہے اور تمام انسانوں کو بھی بشمول نبی کے یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف وحی کی اتباع کریں۔دوسروں کی اتباع نہ کریں۔نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ کی بات کے علاوہ کسی اور کی بات بھی حجت شرعیہ ہے تو لازم آئے گا کہ حکم یعنی قانون سازی اور دستور سازی میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرلیا گیا اور یہی تو شرک فی الحکم ہے۔

یہ اعتراض اس وقت قابل قبول ہوسکتا تھا جب حدیث کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ مانتے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرتے ہیں۔جبکہ اللہ یہ فرماتا ہے:**ولـــو تقول علينا بعض الاقاويل لاخذ نا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين۔**(الحاقہ:۴۴،۴۵،۴۶)

اوراگر یہ(نبی ﷺ)ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحى يوحىٰ** (النجم۳۔۴)

اور نہ وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں نطق رسول (رسول کی بات) تو وحی ہی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

حدیث رسول ﷺ کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''حکم'' یعنی قانون اللہ بناتا ہے کیونکہ اس نے فرمایا: **شرع لكم من الدين.** دستور حیات اسی نے بنایا ہے۔(الشوریٰ:۱۳)

ان الحكم الا لله. حکم صرف اللہ کا ہے۔(یوسف:۴۰)

نبی اسی قانون الٰہی کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے کبھی اس قانون کی تبلیغ اللہ کی زبان میں کرتا ہے وہ قرآن ہے اور کبھی اپنی زبان میں کرتا ہے وہ حدیث ہے۔اس سے شرک فی الحکم کہاں لازم آیا۔؟ شرک فی الحکم تو اس وقت لازم آتا جب قانون سازی کا حق اللہ کے علاوہ کسی اور کو بھی دے دیا جاتا اور یہ عقیدہ رکھا جاتا کہ جس طرح اللہ قانون بناتا ہے اسی طرح نبی بھی قانون بناتا ہے جبکہ نبی جو کچھ کرتا ہے اللہ کے فرمان کے مطابق کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے۔اس بیان کے بغیر قرآن کے مضمرات اور مرادات کا انکشاف دشوار ہے۔قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں من جانب اللہ ہیں۔نبی اکرم ﷺ ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں۔یعنی نزول الفاظ،جمع الفاظ حتیٰ کہ اقراء الفاظ اور شرح مطالب اور بیان معانی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فرمایا گیا:**إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴿۱۷﴾فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴿۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴿۱۹﴾**(القیمہ)

اس (قرآن) کا جمع کرنا (سینوں میں اور سفینوں میں) اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا: **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ** (النحل:۴۴)

اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف ذکر (قرآن) کو تاکہ لوگوں کی طرف جو نازل کیا گیا ہے آپ (اے رسولؐ) اسے کھول کھول کر بیان کردیں تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔

آیت بالا میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں انزالِ کتاب کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور اس کی تبیین کی نسبت نبیؐ کی طرف کی ہے اور بیان کے ذریعہ متعین شدہ مرادات ومفاہیم ومعانی کے دائرہ میں محدود رہ کر قرآن کے مخاطبین اپنی فکر سے کام لیں۔ یہ قید درحقیقت قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی کج فکر کو یہ موقع نہیں دیتی کہ قرآن کی آیتوں کو جو معنی چاہے پہنائے۔

تبیینِ رسول کی مثالیں

اللہ نے فرمایا: **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا** (المائدہ:۳۸)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

آیت مذکورہ پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ چوری کا مال کتنی مقدار میں ہو تو ہاتھ کاٹا جائے؟ نیز ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ اس کا جواب مندرجہ ذیل حدیث میں ہے،

عن عائشةؓ عن النبی قال تقطع یدالسارق فی ربع دینار۔ (بخاری کتاب الحدود)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: چور کا ہاتھ چوتھائی دینار میں کاٹا جائے گا۔

مطلق کی یہ تقیید الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔

اللہ نے فرمایا: **لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ** (التوبہ:۱۰۸)

البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

یہ کونسی مسجد ہے؟ حدیث ذیل میں موجود ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رجلا من بنی عمرو بن عوف ورجلا من بنی خدرة امترا فی المسجد الذی اُسس علی التقویٰ فقال العوفی هو مسجد قباء وقال الخدری هو مسجد رسول الله فاتیا رسول الله فسألاه عن ذلك فقال هو مسجدی هذا وفی ذلك خير كثير۔ (مسند احمد)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس مسجد کے بارے میں بنوخدرہ اور بنی عمرو بن عوف کے دو آدمیوں نے اختلاف کیا۔ عوفی نے کہا اس مسجد سے مراد مسجد قباء ہے اور خدری نے کہا اس مسجد سے مراد

مسجد نبوی ہے۔ دونوں نے آ کر نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی ہے۔ یہاں مجمل کا بیان اصل میں بیان قرآن ہے الگ سے کوئی چیز نہیں۔

اللہ نے فرمایا: **يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ** (النساء:۱۱) اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ لڑکا کافر اور باپ مسلم ہو یا اس کے برعکس تو کیا ان کو وراثت ملے گی؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ حدیثِ مندرجہ ذیل میں اس کا جواب ہے۔

عن اسامة بن زيد ان النبی قال: لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم. (بخاری کتاب الفرائض)

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا ہے۔

یہاں عام کی تخصیص الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔

اللہ نے فرمایا: **إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً** (بنی اسرائیل:۷۸)

یقیناً فجر کے اندر قرآن پڑھنا مشہود ہے۔

آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مشہود سے کیا مراد ہے؟

عن ابی هريرة عن النبی فضل صلوة الجميع على صلاة الواحد خمس و عشرون درجة و تجتمع ملائكة الليل و ملائكة النهار فی صلاة الصبح، يقول ابوهريرة اقرأوا ان شئتم و قرآن الفجر ان قرآن الفجركان مشهودا. (بخاری کتاب تفسیر القرآن)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سے نماز، تنہا نماز پر پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھلو **و قرآن الفجر ان قرآن الفجركان مشهودا** (اور صبح کی نماز بھی قائم کیجیے۔ بیشک صبح کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے)

یہاں مبہم کی تعیین کی گئی کہ مشہود سے مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز میں دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے اکٹھا ہوتے ہیں۔

یہاں مبہم کی یہ تعیین الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔

عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول الله ما الخيط الابيض من الخيط الاسود؟ اهما الخيطان قال انك لعريض القفا ان ابصرت الخيطين ثم قال لا بل هو سواداللیل و بياض النهار. (بخاری کتاب تفسیر القرآن)

جب سورۂ بقرہ کی آیت **کلوا واشربوحتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر** (یعنی سحری کھاتے پیتے رہو جب تک سفید دھاگا کالے دھاگے سے ممتاز نہ ہوجائے) اتری تو عدی بن حاتمؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا اس سے دو دھاگے (کالے اور سفید) مراد ہیں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا، ارے بھولے آدمی! اس سے مراد صبح صادق اور صبح کاذب ہیں۔

پتہ چلا کہ جب اہل زبان ہوتے ہوئے بھی صحابہ کو مراد ربّانی سمجھنے میں غلطی ہوجاتی تھی اور انھیں اس کے صحیح مفہوم کو جاننے کیلئے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ہم تو بدرجہ اولیٰ مرادات ربانیہ کو سمجھنے کیلئے نبی ﷺ کی احادیث کے محتاج ہیں۔

اور اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کیا تو حدیث کو **بیان تفریع** کہا جائے گا اور اگر قرآن کے کسی جزئیے سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا تو حدیث کو **بیان استخراج** کہا جائے گا۔

قرآن کے لئے حدیث کسی نہ کسی آیت کے لئے بیان ہے اور یہ بیانات مختلف الانواع ہیں۔ اگر آیت و حدیث کا بعینہ ایک ہی مفہوم ہے تو حدیث کو **بیان تاکید** کہا جائے گا۔ اگر آیت کے مختلف محتملات میں کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا تو حدیث **بیان تعیین** ہے۔

اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے اور حدیث نے اسے مشخص کیا تو حدیث بیان

تقریر ہے۔اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھول دیا ہے اور پھیلا دیا تو حدیث **بیان تفصیل** ہے۔اگر آیت کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصے کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمے کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا تو حدیث **بیان الحاق** ہے۔اگر کسی آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی تو حدیث **بیان توجیه** ہے اور اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کیا تو حدیث **بیان تمثیل** ہے۔اگر حکم آیت کی علت حدیث نے واضح کی تو حدیث **بیان تعلیل** ہے اور اگر آیت کے حکم کے خواص حدیث نے کھولے ہیں تو حدیث **بیان تاثیر** ہے اور اگر کسی آیت کے حکم کے حدود کو حدیث نے واضح کیا تو حدیث **بیان تحدید** ہے۔اگر آیت کے کسی عام کا حدیث نے کوئی فرد مشخص کر دیا تو حدیث **بیان تخصیص** ہے اور اگر آیت کے کسی جزیئے کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا تو حدیث کو **بیان قیاس** کہا جائے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم احادیث کو مانتے ہیں مگر ان احادیث کو نہیں مانتے جو عقل میں نہ آئے۔اب سوال یہ ہے کہ کس کی عقل کو معیار بنایا جائے؟ محدثین کی عقل کو، فلاسفہ کی عقل کو، ایک ڈاکٹر، ایک سائنسدان کی عقل کو یا ایک عام آدمی کی عقل کو؟

ایک حدیث ایک شخص کی عقل میں آتی ہے دوسرے کی عقل میں نہیں آتی تو اب کس کی عقل کو معیار تسلیم کیا جائے۔کیا دین میں عقل معیار ہے یا نقل؟ اگر اس معیار پر ہم قرآن کو پرکھیں اور جو آیت ہماری عقل میں نہ آئے تو پھر اسے بھی تسلیم نہ کریں۔

سورہ انبیاء میں اللہ فرماتا ہے: **قلنا یا نارکونی بردا و سلاما علی ابراهیم**۔(الانبیاء:۶۹)

ہم نے حکم دیا کہ اے آگ سرد ہو جا اور موجب سلامتی ہو ابراہیمؑ پر۔

یہ بات عقل میں نہیں آتی۔۔۔کہ آگ کا کام ہے جلانا۔۔۔وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی کیسے بن سکتی ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہوگی ہم اس کو نہیں مانیں گے۔اگر اس نظریے پر قرآن کو رکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو آیتیں بظاہر متعارض نظر آتی ہیں تو کیا ایک آیت کو تسلیم کر کے دوسری کو رد کر دیں گے یا دونوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانیں گے۔ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں کو مانیں گے تو یہ فارمولہ احادیث کیلئے

کیوں استعمال نہ کیا جائے۔

اللہ فرماتا ہے: **وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة**۔(الفرقان:۳۲)

کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتار دیا گیا۔

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: **انا انزلناه فی لیلة القدر**۔(القدر:۱)

ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جزاً جزاً بتدریج نازل ہوا ہے اور دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن دفعہ واحدہ اتارا گیا ہے۔ہم دونوں آیتوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانتے ہیں۔

یہ کہنا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے لہٰذا احادیث کو حجت شرعیہ ماننے کی کیا ضرورت ہے۔۔؟ تو سوال یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے **یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله**۔(الجمعہ:۹)

اے مومنو! جب جمعہ کی نماز کے لئے تمہیں پکارا جائے تو اس کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔

اب بتایا جائے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟ کس نماز کیلئے پکارا جائے۔کن الفاظ سے پکارا جائے؟ جس نماز کیلئے پکارا جارہا ہے وہ کیسے پڑھی جائے؟ ان سارے سوالوں کا جواب اور اس کی تفصیل قرآن میں کس جگہ ہے بتائیں؟

اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو بتائیں کہ مرغی حلال ہے یا حرام؟ کتا اور گدھا حلال ہیں یا حرام؟ میت کو غسل کیسے دیا جائے؟ نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے؟ تجہیز وتکفین کا کیا طریقہ ہے؟ نانی، دادی، پوتی، نواسی کی حرمت بنص قرآنی ثابت نہیں تو کیا ان سب سے نکاح جائز ہے؟

نیز منکوحہ کی موجودگی میں اس کی خالہ اور اس کی پھوپھی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ قرآن سے ثابت کریں ہم **تبیانا لکل شئی** کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں جو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔اور حدیث میں احکام کی جو شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔پس متن قرآن اور شرح قرآن (حدیث)

دونوں میں ہر امر دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

معیارِ تحقیق

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے سند میں چند اشخاص کو جوڑ دیا اور کہہ دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، اور اسے حدیث مان لیا جاتا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حدیث کو جانچنے کے معیارات سو سے زائد ہیں اور ہر معیار پر مستقل تحریری مواد موجود ہے۔ جب کوئی حدیث ان تمام معیارات سے ٹھیک ٹھاک گذر جائے گی تب اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

مثال کے طور پر علقمی نام کا ایک شخص کہتا ہے کہ یہ حدیث ہے اور سند اس طرح بیان کرتا ہے

عن مالك عن نافع عن ابن عمر عن النبى ﷺ ----

جب علقمی اس حدیث کو مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کرے گا تو ہر سننے والا سند میں اس کا نام ضرور ذکر کرے گا۔ علقمی سے آگے کی سند یقیناً معتبر ہے۔ لیکن حدیث کو صحیح قرار دینے کے لئے علقمی کی تحقیق ضروری ہوگی۔ اب اگر علقمی کے حالات نہیں ملے تو روایت مجہول ہوگی اور اگر حالات مل گئے تو دیکھا جائے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب؟ اگر کاذب تھا تو حدیث موضوع ہوگی اور اگر صادق تھا تو اب دیکھا جائے گا کہ وہ سوءحفظ (حافظہ کی خرابی) میں مبتلا تو نہیں؟ اگر یہ عیب پایا گیا تو حدیث قابل قبول نہیں ہوگی۔ اگر اس جرح سے بچ گیا تو دیکھا جائے گا کہ امام مالک ؒ کے اور شاگرد بھی وہ حدیث روایت کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہوگیا کہ دیگر شاگرد علقمی کے خلاف روایت کرتے ہیں تو علقمی کی روایت شاذ ہوجائے گی۔

مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی جھوٹے راوی کا محدثین کے معیارِ تحقیق سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ لہٰذا محدثین کسی حدیث کو صحیح کہیں تو وہ قطعی الصحت ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

منکرینِ حدیث ایک اور اعتراض بڑے شد و مد سے کرتے ہیں کہ اگر حدیث کا دین میں کوئی مقام ہوتا اور دینی معاملات میں اسے مستقل حجیت حاصل ہوتی تو پھر نبی اکرم ﷺ اسی اہتمام کے ساتھ حدیث بھی لکھوالیا کرتے جس اہتمام سے آپ ﷺ قرآن کی ہر آیت و سورہ لکھوالیا کرتے تھے۔ اب جس شئے کو قلم بند کرکے دوسروں تک پہنچانے کا باقاعدہ التزام نہیں کیا گیا اسے ہمیشہ کے لئے ایک واجب الاتباع قانون کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے۔۔؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی شئے کے موجبِ حجت و استناد اور لائقِ اتباع ہونے کے لئے اس کا مکتوب و محرر ہونا شرط لازم نہیں۔ آخر قرآن کی وحی بھی تو تحریری نہیں بلکہ زبانی ہی نازل ہوتی تھی، جیسا کہ سورہ قیامہ کی آیت سے ظاہر ہے

لاتحرك به لسانك لتعجل...

یعنی جبرئیل امین آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو فوراً یاد ہوجاتی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے حافظے اور یادداشت ہی سے اسے املا کراتے تھے اور ظاہر ہے کہ نزول اور کتابت کے درمیان کچھ وقفہ ایسا ضرور گذرتا ہوگا جبکہ حفاظت وحی کا انحصار مجرد حافظے اور قرأت پر ہوتا ہوگا۔

نیز حدیث نام ہے رسول ﷺ کے قول و فعل و تقریر کا۔ رہا قول کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت ہے اور صحابہ کی زبان عربی تھی اور ان کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ حدیثوں کو یاد رکھنا ان کے لئے چنداں مشکل نہ تھا۔ رہا فعل رسول کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر عمل کرنا کافی تھا جیسے نماز کیسے پڑھی جائے۔ اس کی پوری ہیئت عمل سے ہی یاد ہوجاتی تھی۔

اب رہا تقریر پر رسول ؐ کا معاملہ، تو اسے بھی یاد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعات ہیں جو آپ ؐ کے سامنے پیش آئے اور آپ ؐ خاموش رہے۔

نیز احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں احادیث کی کتابت ہوتی تھی۔اس سلسلے میں مشہور کتابیں یہ ہیں،

صحیفہ علیؓ۔صحیفہ وائل بن حجرؓ۔صحیفہ سعد بن عبادہؓ۔صحیفہ جابر بن عبداللہؓ۔صحیفہ انس بن مالکؓ۔صحیفہ عبداللہ بن عباسؓ۔صحیفہ صادقہ جو عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے مرتب کیا تھا۔صحیفہ عمر بن خطابؓ۔صحیفہ عثمانؓ۔صحیفہ عبداللہ بن مسعودؓ۔مسند ابوہریرہؓ۔روایات حضرت عائشہؓ۔صحیفہ عمرو بن حزم۔صحیفہ صحیحہ لابی ھریرہؓ۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث کے حفاظت کے طریقے جو اختیار کئے گئے وہ تین تھے۔

(۱) کتابت (لکھنا)۔(۲) حفظ (زبانی یاد کرنا)۔(۳) تعامل (یعنی ہر شعبہ زندگی میں احادیث پر عمل کا اہتمام)۔

یہ تینوں طریقے عہد رسالت سے آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔

احادیث کی حفاظت کا عملی اہتمام

زیادہ تر عمل میں آنے والی احادیث کی تعداد متن حدیث کے لحاظ سے قریباً ایک لاکھ ہے اور اسانید وطرق کے لحاظ سے ان کی تعداد قریباً تین لاکھ ہے اور حجۃ الوداع میں صحابہ کرام کی تعداد قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اس کے بعد نبی ﷺ تین ماہ زندہ رہے، اتنے عرصے میں کتنے ہزار صحابہ کا اور اضافہ ہوا۔اس حساب سے تو ایک صحابی کے حصے میں ایک حدیث بھی نہیں آتی۔

عہد رسالت میں حدیث کی کتابت وحفظ کا ثبوت

عن عبدالله بن عمرو قال: كنت اكتب كل شئى اسمعه من رسول الله اريد حفظه فنهتنى قريش وقالوا اتكتب كل شئى تسعمه ورسول الله بشر يتكلم فى الغضب والرضا فامسكت عن الكتاب فذكرتُ ذلك لرسول الله فاومأ باصبعه الى فيه فقال اكتب فوالذى نفسى بيده مايخرج منه الا حقٌّ۔ (ابوداؤد، کتاب العلم)

عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں ہر چیز جو نبی ﷺ سے سنتا لکھ لیا کرتا تھا تا کہ میں اس کو زبانی یاد کرلوں تو قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تو نبی ﷺ سے جو کچھ سنتا ہے لکھ لیا کرتا ہے جبکہ نبی ﷺ ایک انسان ہیں۔کبھی غصے میں بولتے ہیں اور کبھی خوشی میں بولتے ہیں۔تو میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، لکھ۔پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

رہی یہ روایت : **عن ابى سعيد الخدرى ان رسول الله قال لاتكتبوا عنى غيرالقرآن ومن كتب عنى غيرالقرآن فليمحه وحدثوا عنى ولا حرج ومن كذب على متعمداً فليتبوأ معقده من النار۔** (مسلم)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو۔تو آپ ﷺ کا یہ حکم عارضی تھا تا کہ قرآن وحدیث کے درمیان امتیاز رہے۔

وحدثوا عن بنى اسرائيل حدیث کا یہ ٹکڑا محمول ہے ایسی اسرائیلی روایات پر جو مسکوت عنہا ہیں یعنی ایسی اسرائیلی روایات جن کے بارے میں ہمارے یہاں نہ تصدیق کی گئی ہو نہ تکذیب کی گئی ہو۔لیکن جو روایات شریعت سے متصادم ہیں وہ مردود ہیں۔

منکرین حدیث حدیثوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ حدیثوں میں باہم اختلاف ہے۔ دیکھا جائے تو اس طرح کا اختلاف قرآن میں بھی موجود ہے۔قرآن میں ایک آیت ہے

الیوم نختم علی افواههم.... (یٰس:۶۵)

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اوران کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اوران کے پیر گواہی دیں گے۔

اورایک آیت میں ہے **یوم تشهد علیهم السنتهم وایدیهم و ارجلهم بما کانوا یعملون** (النور:۲۴)

جس روز انکے خلاف انکی زبانیں گواہی دیں گی اور انکے ہاتھ پیر بھی انکے کرتوتوں کی گواہی دینگے۔

پہلی آیت میں ہے کہ منہ پر مہر لگنے کی وجہ سے زبان بند ہوجائے گی اور دوسری آیت میں ہے کہ زبانیں گواہی دیں گی۔ذرا سوچئے جب زبانیں بند ہوجائیں گی تو گواہی کس طرح دیں گی۔

امام بخاریؒ معصوم نہیں تھے

منکرین حدیث یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ معصوم نہیں تھے۔لہٰذا ان سے خطا ممکن ہے۔جواب یہ ہے کہ امکان خطا اور وقوع خطا میں بڑا فرق ہے۔امکان اور چیز ہے اور وقوع اور چیز ہے۔ممکن ہے آپ چور ہوں۔مگر بغیر ثبوت شرعی ایسا کہنا غلط ہے۔امام بخاریؒ نے خطا کہاں کی ہے اس کو ثابت کیجیے۔

ذرا سوچئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قرآن کو نہیں لکھا۔لکھنے والے اور جمع کرنے والے صحابہ تھے اور صحابہ بھی معصوم نہ تھے۔لہٰذا ان سے بھی خطا کے صدور کا امکان تھا۔**فما هو جوابکم فهو جوابنا...**

تبیانا لکل شئی کا مفہوم

قرآن میں جب ہر شئے کی وضاحت ہے تو حدیث کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن کی آیت کے اس ٹکرے **تبیانا لکل شئی** (النحل:۸۹) کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ بیان ہوا وہ اللہ کی طرف سے ہے اور احادیث نبویہ میں جن احکام کی شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔پس متن قرآن اور شرح قرآن (حدیث) دونوں میں ہر امر دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

تفصیلا لکل شئی (الانعام:۱۵۵) کا مفہوم

اعتراض ہے کہ قرآن میں جب ہر مسئلے کی تفصیل ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

آیت کے مذکورہ ٹکڑے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کے بنیادی اصول اور مہمات شریعت بغیر کسی اینچ پیچ کے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کردیے تاکہ اشتباہ وابہام کا کوئی شائبہ نہ رہے۔لفظ ''**کل**'' حقیقی استغراق یعنی ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو، کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ **کل** ایسا ہے جیسے سورہ نمل کی اس آیت **واوتیت من کل شئی** یعنی ملکہ کو ہر چیز دی گئی تھی یعنی سلطنت کے تعلق سے تمام لوازمات دیئے گئے تھے کیونکہ سلیمانؑ کے پاس لوازمات حکومت ملکہ سبا کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھے۔

احادیث کے ضعیف وموضوع ہونے پر اعتراض

منکرین حدیث یہ اعتراض بڑے زور وشور سے کرتے ہیں کہ بعض احادیث تو موضوع ہیں اور بعض ضعیف حالانکہ قرآن میں اس طرح کا اختلاف نہیں۔ اس کی کوئی آیت ضعیف یا موضوع نہیں کہی جاسکتی اس لحاظ سے حدیث کا مواد غیر مکمل ہی نہیں بلکہ تحریف سے بھی پاک نہیں ہے۔ جبکہ جو شئے حجت شرعیہ اور ماخذ دین ہو، اس کا خالص اور بے آمیز ہونا ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حدیث کے مجموعوں میں مختلف اقسام کی احادیث درج ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مابین امتیاز کرنا مشکل ہے۔ جس شخص کو حدیث اور فن حدیث سے معمولی بھی واقفیت ہے وہ یہ جانتا ہے کہ محدثین نے صحیح اور قابل اعتماد احادیث کا بڑا حصہ ضعاف اور موضوعات سے الگ کردیا ہے اور انہوں نے حدیث کی نقد وجرح کے وہ تمام اصول وقوانین بھی بیان فرمادیئے ہیں جن سے کام لے کر انہوں نے احادیث کو جانچا ہے۔ اس فنی تحقیق کی مثال دنیا میں کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔ اس کی روشنی میں ہر صاحب علم یہ جان سکتا ہے کہ احادیث کی قوت وضعف کا فیصلہ کن وجوہ ودلائل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اگر محدثین کے اس محیر العقول کارنامے کے بغیر احادیث کا ملا جلا ذخیرہ ہم تک پہنچتا اور ہمارے پاس صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو یہ امر بلاشبہ باعث تشویش ہوسکتا تھا۔ لیکن موجودہ صورت میں پریشانی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ پھر مزید موجب اطمینان امر یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت یا ضعف پر امت کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ ان کی تعداد ان احادیث کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جن کی صحت وعدم صحت کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔

اب اگر کوئی شخص تھوڑی سی مقدار کو مشتبہ سمجھ کر پورے ذخیرے کو ساقط الاعتبار قرار دیدے تو اس کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہوگی جو اپنے خزانے کے چند سکوں کو کھوٹا دیکھ کر پورا خزانہ دریا برد کردے یا بازار میں چند جعلی نوٹوں کا چلن دیکھ کر پورے ملک کی کرنسی کو نذر آتش کرنے کی کوشش کرے۔

کیا کوئی زیرک وہوشمند انسان ایسا ناعاقبت اندیشانہ اقدام کرنے کا تصور بھی کرسکتا ہے۔

۱۔مندرجہ ذیل حدیث بخاری پر اعتراض اور اس کا جواب

حدثنا عبدالله بن محمد قال حدثنی عبدالصمد قال حدثنی شعبه قال حدثنی ابوبکر بن حفص قال سمعت ابا سلمة يقول دخلت انا واخو عائشة علی عائشة فسالها اخوها عن غسل النبی فدعت باناءٍ نحوًا من صاعٍ فاغتسلت و افاضت علی راسها و بيننا و بينها حجاب۔ (بخاری کتاب الغسل)

ابوسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں اور عائشہؓ کے بھائی، عائشہؓ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے۔؟ عائشہؓ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوایا جس سے آپؓ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا، درمیان میں ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں حضرات اس پردے میں سے حضرت عائشہؓ کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟ جواب نفی میں ہے۔ غسل کی کیفیت بتانے کیلئے حضرت عائشہؓ نے غسل نہیں کیا بلکہ انہوں نے پانی کی مقدار کا ذکر کیا تو ابوسلمہؒ وغیرہ نے تعجب کا اظہار کیا کہ اتنے پانی سے کیسے نہایا جاسکتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ یہ بالکل ممکن ہے اور دیکھو اب میں نہانے کیلئے جارہی ہوں اور اتنے ہی پانی سے نہاؤں گی اس کے بعد انہوں نے پردہ ڈالا اور غسل فرمایا اور یہ ثابت کردیا کہ اتنے پانی سے نہانا ممکن ہے۔ اس مفہوم کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے مذکورہ حدیث پر "**الغسل باالصاع و نحوه**" کا باب باندھا ہے۔

امام بخاریؒ کی تبویب منکرین حدیث کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کیلئے کافی ہے۔ نیز غسل کے معنی صرف نہانے کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ غسل کا ایک مطلب ''نہانے کا پانی'' بھی ہوتا ہے۔

۲۔مندرجہ ذیل حدیث بخاری پر اعتراض اور اس کا جواب

عن عامر بن سعد عن ابيه قال امر رسول الله بقتل الوزغ وسماه فويسقا۔ (ابوداؤد کتاب الادب) رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کہا۔

چھپکلی کے قتل کا یہ سبب نہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی آگ پر پھونک مار رہی تھی مذکورہ حدیث سے اس کا

فویسق (زہریلا اور موذی) ہونا بتایا گیا ہے۔

نیز بعض جانور فطرتاً شریف ہوتے ہیں اور بعض فطرتاً بدطینت ہوتے ہیں۔ جیسے بچھو اور چھپکلی وغیرہ۔۔تو ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک مارنا اس کے خبثِ باطن کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ بہترین جانتا ہے کہ چھپکلی کیسے پھونک مار رہی تھی کیونکہ اللہ کے علم میں وہ بات ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ویسے بھی قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی ہر شئے اللہ کی تسبیح بیان کررہی ہے لیکن وہ تسبیح کیسے بیان کررہی ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ چھپکلی ایک برے کام میں مدد کیوں کررہی تھی۔۔؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔

۳۔مندرجہ ذیل حدیث بخاری پر اعتراض اور اس کا جواب

عن عائشة جاء ت سهلة بنت سهيل الى النبیؐ فقالت یارسول الله انّی اریٰ فی وجه ابی حذیفة من دخول سالم وهو حلیفه فقال النبی ارضعیه قالت وکیف اُرضعه وهو رجل کبیر فتبسم رسول الله وقال قد علمت انه رجل کبیر۔ (مسلم کتاب الرضاع)

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ سالم جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو میں ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھتی ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا تو سالم کو اپنا دودھ پلا دے ۔کہنے لگیں میں انھیں کیسے دودھ پلا دوں۔۔؟ وہ بچے نہیں ہیں بلکہ جوان ہیں۔تو نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ وہ جوان ہیں۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ نے نوجوان سالم کو اپنا دودھ پلایا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اسلام میں حرجِ شدید کا لحاظ کیا گیا ہے کہ ایام ماہواری میں عورت کی نماز معاف ہے جبکہ نماز جنگ میں بھی معاف نہیں۔ سالم چونکہ بچپن سے ابوحذیفہ کے گھر آتے جاتے تھے اور سودا سلف بھی لے آتے تھے۔ گھر میں اور کوئی نہ تھا۔لہٰذا مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا گیا، یہ ان کے لئے خاص تھا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ سہلہ نے سالم کو اس طرح اپنا دودھ پلایا جیسے بچے کو پلایا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی برتن میں دودھ نکال کر پلایا گیا ہو۔

خبر واحد کی حجیت قرآن سے

وجاء رجل من اقصا المدينة يسعىٰ (سورہ القصص:۲۰)

ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰؑ اس ایک شخص کی خبر پر گھر چھوڑ کر مدین کی طرف نکل پڑتے ہیں۔

وجئتك من سبابنبأيقين۔ (النمل:۲۲)۔

میں آپ کے پاس شہر سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔

مذکورہ آیت میں تنہا ہدہد کی خبر کو قرآن نے یقینی خبر کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد اگر محتف بالقرائن ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

خبر واحد کی حجیت حدیث سے

عن عبدالله بن عمر ان رسول الله قال ان بلالا ينادى بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم (بخاری كتاب الاذان)

عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلالؓ اذان دیں تو کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن مکتومؓ اذان دیں۔

امام بخاریؒ کی فقاہت دیکھئے وہ اسی حدیث سے خبر واحد کی حجیت پر استدلال کرتے ہیں۔تقریر استدلال یہ ہے کہ نماز جو افضل العبادات ہے ایک آدمی کی اذان یعنی ایک آدمی کے بلاوے پر مسجد میں آنا لازم قرار دیا گیا تو دیگر معاملات میں ایک آدمی کی خبر کو حجت کیوں نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔

بخاری میں بدعتی راوی ہیں اس کا جواب

جواب یہ ہے کہ بدعات ایک درجے کی نہیں ہوتیں۔اللہ نے ارشاد فرمایا: **یـا ایهاالذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبينوا.** (الحجرات:۶)۔اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو۔

غور فرمائیں کہ فاسق کے فسق کی وجہ سے جو بے اعتباری پیدا ہو سکتی تھی وہ خبر کی تحقیق کے بعد دور کی جا سکتی ہے۔

(۱) اگر راوی کی بدعت اس طرح ہو کہ اسے اسلام سے نکال دے ایسے بدعتی کی روایت مقبول نہیں کیونکہ قبول روایت کیلئے اسلام شرط ہے۔

(۲) اگر راوی دین و شریعت کے معاملے میں دشمنی کا اظہار کرے اور مسلمانوں سے عناد رکھے اور خواہشات کی پیروی میں اسراف کرے نیز حق کی دلیلوں سے اعراض کرے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے یہاں دینداری کم ہے۔ جیسے شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو ایسا راوی عادل نہیں ایسے روای کی روایت مقبول نہیں کیونکہ قبول روایت کیلئے عدالت شرط ہے۔

(۳) اگر راوی جھوٹ کو حلال جانے تو یا تو کافر ہے یا فاسق اور اگر معذوری بھی سمجھ لیں تو قبول روایت کے لئے صدق (سچائی) شرط ہے اور یہاں سچائی ناپید ہے اس لئے ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

(۴) ایسا بدعتی راوی کہ اہل علم کا اس کے سلسلے میں تردد موجود ہو اہل علم کے نزدیک اس کو کافر قرار دینا یا فاسق قرار دینا واضح نہ ہو سکے اور نہ ہی اہل علم نے اسے عادل قرار دیا ہو تو ایسے راوی کی روایت مردود ہے۔

(۵) اگر بدعتی راوی اپنی بدعت کی طرف داعی ہو اور اپنی بدعت کی نشر و اشاعت کرتا ہو اور اس کی دعوت کا تعلق ایسی بدعت سے ہو جس پر اہل سنت کا اتفاق ہو کہ وہ بدعت ہے تو ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

رہا وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتا اس کی دو مثالیں ہیں اگر اس کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی روایت سنی کی طرح قبول کی جائے گی۔لیکن اگر اس کی عدالت ثابت نہ ہو تو اس کی روایت مردود ہوگی۔ یہ چند شرائط **معلمی** کی **التنكيل** میں موجود ہیں۔

عذابِ قبر

منکرین حدیث کا یہ اعتراض یہ ہے کہ اگر عذاب قبر کو مان لیا جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آتی ہیں جبکہ قرآن میں صرف دو زندگیوں اور دو موتوں کا تذکرہ ہے۔

جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا،

قالوا ربنا امتنا اثنتين و احييتنا اثنتين (المومن:۱۱)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب، تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی۔

جواب یہ ہے کہ قرآن میں کئی واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مردے زندہ ہو گئے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں باذن اللہ مردوں کا زندہ ہونا اور سورۂ بقرہ میں حضرت عزیرؑ اور ان کے گدھے کا زندہ ہونا اور چار چڑیوں کا زندہ ہونا۔۔تو کیا یہ تیسری زندگی نہیں ہے؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ قرآن میں یہ ہے کہ قیامت سے پہلے بعثت عامہ نہیں ہوگی اور نہ کوئی مسلمان اس کا عقیدہ رکھتا ہے۔ نیز اہل قبور کیلئے دنیا کی معروف زندگی اور موت کی معروف بے حسی کے درمیان کسی درجے کا احساس زندگی تسلیم کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ثبوت اس آیت میں ہے

قالوا يويلنا من بعثنا من مرقدنا.(یٰس:۵۲)

انہوں نے کہا ہائے ہم کو ہمارے مرقد سے کس نے اٹھایا۔

رقود نیند کو اور **مرقد** خوابگاہ کو کہتے ہیں۔ پتہ چلا کہ قبر میں مردے کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے سونے والے کی۔اس میں زندگی کی پوری حسیت اور موت کی مکمل بے حسی طاری نہیں ہوتی بلکہ بین بین کی کیفیت ہوتی ہے۔

اس بحث میں ایک ضمنی سوال یہ بھی ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے بدلہ دیا جانا انصاف کے خلاف ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ اگر قیامت سے پہلے کوئی بدلہ دیا جانا تسلیم نہ کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے دنیا میں قوموں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا کیوں دی؟

حدیث ثلاث کذبات

منکرین حدیث کا اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے قرآن میں صدیق کہا ہے اور بخاری میں حدیث نمبر ۵۰۸۴ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے: **لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات**

کہ ابراہیمؑ تین جھوٹ بولے

تو جواب یہ ہے کہ اسے توریہ کہتے ہیں یعنی ایسا کلام جو مجازاً کذب ہوتا ہے مگر حقیقت میں سچا ہوتا ہے۔
ویسے دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے ایسے جھوٹ کا تذکرہ خود قرآن میں ہے۔

فقال انی سقیم (الصافات:۸۹)

پس کہا میں بیمار ہوں۔

ایک تو بیمار نہیں تھے مگر آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرے آپ نے خود بتوں کو توڑ کر بڑے بت کا نام لے دیا۔

قال بل فعله کبیرهم هذا. (الانبیاء:۶۳)

کہا کہ نہیں بلکہ انکے اس بڑے نے یہ کیا۔

تیسرے تارہ، چاند اور سورج کو دیکھ کر انھیں خدا کہا۔ (الانعام ۷۷،۷۸،۷۹)

کیا ابراہیمؑ کا انہیں خدا کہنا سچ تھا یا جھوٹ؟

اب جو توجیہ منکرین حدیث ان آیات کی کریں وہی اسی قسم کی احادیث کی سمجھ لیں۔

درحقیقت حدیث میں حقیقی جھوٹ نہیں بلکہ مجازی جھوٹ ہے جسے توریہ کہا جاتا ہے۔ جس میں ظاہری کلام کی صورت کذب کی ہوتی ہے مگر اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن بڑے لوگوں کو اس سے شرم آتی ہے۔

حدیث زنائے قردة

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب بنیان الکعبة کے "باب القسامة فی الجاهلیه" میں اپنے استاد نعیم بن حمادؒ سے اس طرح روایت کیا ہے: **عن عمرو بن میمون قال رایت فی الجاهلیة قردة اجتمع علیها قرود قد زنت فرجموها فرجمتها معهم.**

عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں نے دیکھا کہ ایک بندریا جس نے زنا کیا تھا دوسرے بندروں نے اکٹھا ہو کر اسے سنگسار کیا میں نے بھی ان کے ساتھ اس بندریا کو سنگسار کیا۔

منکرین حدیث اس حدیث کو بھی اپنے اعتراض کا موضوع بناتے ہیں اور حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا بندروں کے یہاں بھی نکاح وطلاق اور حدود وتعزیرات کا نظام لاگو ہے۔۔؟

پہلا جواب تو یہ ہے کہ بندروں کی شکل میں وہ جن تھے اور وہ بھی شریعت کے مکلّف ہیں۔ تورات میں رجم کا حکم تھا اور نص قرآنی سے ثابت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت شریعت موسوی کی پابند تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بندروں نے کسی بندریا کو اس کی آوارگی پر پتھروں سے ہلاک کر دیا تو اللہ کی مخلوقات میں یہ کون سی عجیب بات ہوگئی جسے عقل ومشاہدہ قبول نہیں کر سکتے۔ جبکہ ماہر عمرانیات کی تصریحات موجود ہیں کہ بندر کا جسم اور اس کی سوچ بالکل انسانوں جیسی ہے۔ لہٰذا ان کو بھی غیرت آتی ہے۔ اس واقعہ میں نصیحت یہ ہے کہ انسان کے اندر غیرت ہونی چاہئے کیوں کہ اس معاملے میں جانور بھی پیچھے نہیں ہیں اور سزائے رجم فطری سزا ہے کہ ایک حیوان اپنی نفسیاتی پاکیزگی کے لئے رجم کر سکتا ہے تو کیا انسان کے لئے یہ سزا نامناسب ہے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس واقعہ کا ذکر حیوان کو مکلّف ٹھہرانے کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ یہ ثابت کرنے کیلئے کیا ہے کہ عمرو بن میمون مخضرم تابعی ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ نے زیر بحث روایت کو التاریخ الکبیر میں عمرو بن میمون کے ترجمے کے تحت ذکر کیا ہے اور اہل فن اس سے بخوبی واقف ہیں کہ تراجم

کی کتابوں میں احادیث وروایات کے ذکر سے ترجمہ ہی کے متعلق کوئی اطلاع بہم پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

نبی ﷺ پر جادو کی حقیقت

حدیث سحر النبی کی بابت معروض یہ ہے کہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں منقول ہے جس کا رتبہ قرآن مجید کے بعد دوسرا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے

وان یمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو. (سورہ یونس:۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچاوے تو سوائے اسکے، کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے۔

آیت مذکورہ سے نبی اکرم ﷺ پر ضرر کے طاری ہونے کا امکان ثابت ہوتا ہے اور سحر بھی ایک ضرر ہے۔ چنانچہ سحر کے ضرر ہونے کی دلیل خود قرآن میں ہے۔ ارشاد پاک ہے،

وماهم بضارين به من احد الا باذن الله ويتعلمون مايضرهم ولا ينفعهم (البقرہ:۱۰۲)

اور یہ (جادوگر لوگ) اس کے (جادو کے) ذریعے ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے۔

آیت کے دونوں ٹکڑے بتا رہے ہیں کہ سحر ایک ضرر ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سحر کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو عقل وتمیز اور قلب پر اثر کرتا ہے۔ دوسرا جس کا اثر ظاہر اعضائے جسم پر ہوتا ہے پس نبی اکرم ﷺ پر جو سحر ہوا وہ دوسری قسم کا تھا۔

قال عياض ان السحر انما تسلط على جسده وظاهر جوارجه لاعلى تمييزه و معتقده.

قاضی عیاضؒ نے کہا کہ جادو کا اثر آپ ﷺ کے ظاہر اعضائے بدن پر ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی قوت ممیّزہ اور معتقدات پر نہیں۔

معلوم ہوا کہ سحر ایک مرض تھا جس طرح اور امراض میں نبی اکرم ﷺ مبتلا ہوئے۔ سر میں درد ہوا، بخار

آیا، زہر کا اثر ہوا، اسی طرح ایک بار مرضِ سحر میں بھی مبتلا ہوئے اور یہ سب لوازمات بشریہ میں سے ہے اور آپ ﷺ بھی بشر تھے۔

علامہ ابن القیمؒ زادالمعاد میں لکھتے ہیں: **انكر هذا طائفة من الناس وقالوا لايجوز هذا وظنّوه نقصا و عيبا وليس كما زعموا بل هو من جنس ماكان يعتريه صلعم من الاسقام والاوجاع وهو مرض من الامراض واصابته به كاصابتهٖ بالسمّ لافرق بينهما قال القاضی عياض والسحر مرض من الامراض وعارض من العلل مما لاينكر ولا يقدح فی نبوته.**

لوگوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کا تسلیم کرنا جائز نہیں۔ اس کو یہ لوگ نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ (جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے) حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ سحر، ان امراض و بیماریوں اور تکلیفوں کی جنس سے ہے جو نبی اکرم ﷺ کو پیش آئیں۔ جس طرح آپ ﷺ پر زہر کا اثر ہوا اسی طرح سحر کا بھی ہوا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں سحر ایک مرض ہے اور دیگر امراض کی طرح اس کا نبی اکرم ﷺ پر اثر کرنا جائز ہے بلا انکار۔ اس سے آپ ﷺ کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اور اس سحر کا مرض ہونا خود حدیث بخاری سے ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ دو فرشتوں میں سے ایک نے پوچھا **ماوجع الرجل قال مطبوب** یعنی اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ تو دوسرے نے کہا مطبوب۔ مختار الصحاح میں ہے **الوجع المرض**۔ طبَ یہ لفظ لغات **اضداد** میں ہے، اس کے معنی داء اور دوا دونوں کے ہیں اور بمعنی جادو بھی آتا ہے۔

پس معنی ہوئے کہ ان کو سحر کی بیماری ہے۔ آخری روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **اما الله فقد شفانی** (بخاری)۔ اللہ نے مجھے شفا دی۔ اور ظاہر ہے کہ شفا مرض ہی سے ہوتی ہے کیونکہ مرض کی ضد شفا ہے۔ اس روایت میں **مرض النبی ﷺ واخذ عن النساء الطعام والشراب فهبط عليه ملكان (فتح البارى)** بالتصریح سحر کو مرض کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مرض سے عصمت اور امور تبلیغی پر کوئی اثر نقصان وغیرہ کا واقع نہیں ہوتا جیسے نیند یا بخار کی غفلت یا نسیان عارضی کا عصمت پر اور امور تبلیغی پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح

کا سحر بھی ہے۔

مسحور

نبی اکرم ﷺ کے حق میں جو مسحور کا لفظ اس آیت **ان تتبعون الا رجلا مسحورا** (الفرقان:۸)

تم ایک مسحور آدمی کی اتباع کر رہے ہو۔

میں آیا ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ پر سحر تسلیم کرنے سے کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

سوالِ اول کی دو شقیں ہیں

(۱) لفظ مسحور کی تحقیق جو قرآن میں وارد ہوا ہے۔

(۲) حقیقت سحر النبی اور اس کا اثر۔

پس واضح ہو کہ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی بابت مقولہ **کفار رجلا مسحورا**۔ دو مقام پر منقول ہے۔ ایک سورۂ بنی اسرائیل میں دوسرے سورۂ فرقان میں۔

میری تحقیق اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کے محاورے میں نازل ہوا ہے اور عرب العرباء کبھی اسم مفعول کیلئے اسم فاعل کا لفظ بولتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ہے۔ **عیشة راضیه** بمعنی **مرضیة** ۔ **مائده** بمعنی **ممدوءه** (صحیح بخاری)

اسی طرح اسم فاعل کیلئے اسم مفعول کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے **ملك مرطوب** (تری والا ملک) **مکان مھول** (خوف دلانے والی جگہ) **جارية مغنوجه** (ناز کرنے والی چھوکری)

خود قرآن میں اس کی مثال ہے۔ **حجابا مستوراً قال الاخفش المستورھھنا بمعنی الساتر فان الفاعل قد تجیئی بلفظ المفعول کما یقال انك لمشؤم علینا و میمون وانما ھو شائم**

(نحوست والا) **ویامن** (برکت والا)۔

اسی طرح ہر دو مقام پر مسحور بمعنی ساحر ہے اور اس پر چند دلیلیں ہیں۔

(۱) کفار مکہ عام طور سے نبی اکرم ﷺ کو ساحر کہتے تھے نہ کہ مسحور، سورۂ یونس میں ان کا مقولہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت **ساحر مبین** منقول ہے اور سورۂ ص میں **ساحر کذاب** ہے۔ پس بفحوائے تفسیر کلام اللہ اقرب الی الصواب (تفسیر کبیر جلد ۳) دونوں جگہوں میں مسحور بمعنی ساحر ہے۔

(۲) سورۂ بنی اسرائیل میں موسیٰ کی بابت بھی فرعون کا مقولہ یوں منقول ہے،

انی لاظنك یاموسی مسحورا۔

حالانکہ سارے قرآن میں فرعون اور اس کی قوم کا مقولہ جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کو ساحر کہتے تھے۔ سورۂ اعراف و سورۂ شعراء میں **ساحر علیم** آیا ہے۔ سورہ مومن میں **ساحر کذاب** آیا ہے۔ سورۂ ذاریات میں **ساحر او مجنون** آیا ہے۔ سورۂ زخرف میں **یا ایھاالساحر** منقول ہے۔ سورۂ طٰہ میں **بسحرك یا موسی** اور **ان ھذان لساحران** آیا ہے۔ سورہ طٰہ اور شعراء میں **انه لکبیر کم الذی علمکم السحر** وارد ہے۔

پس جب فرعون اور اس کی قوم موسیٰ کو ساحر کہتے تھے تو سورۂ بنی اسرائیل میں فرعون کے مقولہ منقولہ میں مسحور کو ساحر کے معنی میں لینا ہوگا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی بابت کفار کا مقولہ جو **رجلا مسحورا** ہے۔ یہاں بھی مسحور کو ساحر کے معنی میں ماننا پڑے گا۔ فراء نحوی کا بھی یہی مذہب ہے کہ یہاں مسحور بمعنی ساحر ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ **قال الفراء ان المسحور بمعنی الساحر کا المشئوم والمیمون** پس جب مسحور بمعنی ساحر ہوا تو حدیث متفق علیہ (نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا) اس آیت کے مخالف نہیں ہوئی اور نہ کوئی ظلم و کفر لازم آیا اور اگر کوئی صاحب محاورہ عرب سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان تینوں دلیلوں کو ماننے پر آمادہ نہ ہوں تو کم سے کم ان کو اپنے فہمیدہ معنی کی اصلاح کر لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ مسحور کے معنی ان مقامات میں (جادو کیا گیا) نہیں ہے بلکہ ''جادو دیا گیا''، یعنی کفار نے کہا کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرو گے جس کو جادو کا علم دیا گیا ہے۔ یعنی وہ ساحر۔ چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن جریر طبریؒ نے یہی معنی مراد لئے ہیں تفسیر کبیر میں۔

قال ابن جرير الطبری معناه اُعطیت علم السحر فهذه العجائب التی تاتی بها من ذلك السحر یعنی ابن جریر طبری نے کہا کہ مسحور کے معنی یہ ہیں تو جادو دیا گیا ہے۔ پس یہ عجائبات (معجزات) اسی جادو کا نتیجہ ہیں۔

(۳) نیز کفار نے نبی اکرم ﷺ کو بشر بھی کہا ہے: **قالوا ابعث الله بشرا رسولا الخ فقالو ابشر یهدوننا فکفرو الخ۔**

لہٰذا جس آیت **قل انما انا بشر** اور حدیث **انما انا بشر انسی کما تنسون** سے آپ ﷺ کا بشر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے چونکہ کفار کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ لہذا احادیث کے ساتھ یہ آیات بھی غیر مسلم ثابت ہوگئیں۔

(۴) کفار نے نبی اکرم ﷺ کو رسول بھی کہا **قالوا ابعث الله بشرا رسولا وقالوا مال لهذا الرسول یاکل ا لطعام ویمشی فی الاسواق**

لہٰذا جس آیت **محمد رسول الله** اور حدیث **اشهدان محمداً عبده و رسوله** (بخاری) سے آپ ﷺ کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اس سے چونکہ کفار کے قول سے اتفاق ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ آیت اور یہ حدیث مسلم نہیں۔

(۵) کفار نے نبی اکرم ﷺ کو کہا کہ کھانا کھاتے ہیں اور اللہ انھیں سب باتوں پر **انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون الخ** فرماتا ہے۔ لہٰذا جس آیت **کانا یاکلان الطعام** اور حدیث مسلم **عن ابی ایوب کان النبی** ﷺ **اذا اُتی بطعام اکل منه** سے آپ ﷺ کا کھانا کھانا ثابت ہے۔ اس سے چونکہ کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس کو اللہ نے ضلالت قرار دیا ہے، لہٰذا یہ آیت اور حدیث نا قابل تسلیم ہیں ورنہ پھر تو الزام کفار غلط نہیں کہا جا سکے گا۔

دجّال

منکرین حدیث واقعہ دجال کو ایک فسانے سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں اپنی امت کو مسیح دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا جس سے ہر ایک مسلمان دوچار ہوگا۔ مسیح کا مطلب ہے **الممسوح العین** کیونکہ اس کی ایک آنکھ نہ ہوگی اور حضرت عیسیٰؑ کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دجال کو قتل کریں گے کیونکہ عربی میں **مسَحَ اللّٰہ العِلَّۃَ عن العلیل** بیمار کو بیماری سے شفا دینا۔ چونکہ اللہ کے حکم سے عیسیٰؑ مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا اور **مسح فلانا بالسیف** کا مطلب ہے قتل کرنا۔ چونکہ عیسیٰؑ دجال کو قتل کریں گے اسی وجہ سے انھیں مسیح کہا گیا ہے اور عربی میں مسیح کانا کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ دجال کانا ہوگا اسی وجہ سے اسے مسیح کہا جاتا ہے۔

حضرت تمیم داریؓ ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی ایک جزیرے پر جا پہنچی۔ یہ جزیرہ قبرص کے قریب تھا۔ اس جزیرے پر انہوں نے ایک جانور جساسہ دیکھا جس کا چہرہ انسان کا چہرہ تھا اور بدن پر بال بہت زیادہ تھے۔ مگر پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت ہے۔ اس کے بعد دجال کو دیکھا، جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ (مسلم، ابوداود)

دجال یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہ خراسان سے نکلے گا، جو ایران کا ایک شہر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اصفہان سے نکلے گا۔ یہ بھی خراسان ہی کے قریب ہے اور ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہو جائیں گے جو دجال کا لشکر ہوں گے۔ ان کے جسموں پر طیالسہ یعنی طیلسانی (ہرے رنگ کے) کپڑے ہوں گے۔ دجال کے ہاتھوں بہت سی خرق عادات چیزوں کا ظہور ہوگا وہ ویران جگہ سے خزانہ نکال دے گا۔ مردے کو بظاہر زندہ کردے گا۔ جنت وجہنم دکھائے گا مگر اس کی جنت جہنم ہوگی اور جہنم جنت ہوگی۔ جب یہ نکلے گا تو پہلے ایمان اور عمل صالح کی دعوت دے گا مگر بعد میں نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (کافر) لکھا ہوا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور بغیر پڑھا لکھا مسلمان پڑھ لے گا اور کافر و منافق نہ پڑھ سکیں گے اگرچہ ان کے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہوگی۔ پھر عیسیٰؑ کا نزول ہوگا وہ دمشق (شام) میں منارۂ شرقیہ کے پاس اتریں گے۔ مہدی کا ظہور ہوگا جو نبی کے خاندان سے

ہوں گے۔ وہ زمین کو عدل وسلامتی سے بھر دیں گے۔عیسیٰ علیہ السلام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور مہدی شریعت محمدیہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کا پیچھا کریں گے اور اسے فلسطین کے ایک مقام باب لد کے پاس قتل کریں گے۔(بخاری،مسلم)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا ذکر فرمایا مگر دجال کا نام ذکر نہیں فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں ایک آیت کے اندر اشارتاً اس کا ذکر فرمایا ہے۔ **یوم یاتی بعض آیات ربك لاینفع نفسا ایمانها** (سورہ الانعام) یعنی جس دن اللہ کی کچھ نشانیاں ظاہر ہوں گی تو کسی کو اس وقت ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔اس آیت کی تفسیر ایک حدیث اس طرح کرتی ہے۔

ثلاث اذا خرجن یعنی تین چیزوں کا جب ظہور ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ایک ہے مغرب سے سورج کا نکلنا، دوسرے دابۃ الارض کا نکلنا، تیسرے دجال کا نکلنا۔

(ترجمہ از **هذه عقیدتی لعائض القرنی**)

نسخ

منکرین حدیث قرآن میں نسخ کے بھی قائل نہیں ہیں جبکہ اللہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۰۶ر میں فرماتا ہے:

ماننسخ من آیة

جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں۔

قرآن میں نسخ کا بین ثبوت ہے لیکن ملحوظ رہے کہ نسخ شیعوں کے ایک عقیدے ”**عقیدۂ بدا**“ کے خلاف ہے۔

بدا کا مطلب ہے کہ پہلے کوئی حکم دیا پھر اس حکم میں کسی غلطی یا نقصان کا علم ہوا تو اس کو بدل دیا۔ **بدا** کے مفہوم میں غلطی اور خطا داخل ہے۔ جبکہ نسخ کا مطلب ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہوجائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے تو پہلے حکم کو بحکمت بالغہ دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے۔ اللہ حکیم ہے اور اس کی کتاب قرآن بھی حکمت

والی کتاب ہے۔ایک حکیم کسی مریض کے مرض کی تشخیص کے بعد جب اس کا علاج کرتا ہے تو مریض کی حالت جیسے جیسے سدھرتی جاتی ہے وہ دوائیں بدلتا جاتا ہے۔مرض کی ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک ہی دوا دیتے جانا حکمت کے خلاف ہے۔

نسخ سابقہ شریعتوں میں بھی رہا ہے۔ جیسے سگے بھائیوں بہنوں کی شادی شریعت آدمؑ میں جائز تھی بعد میں حرام ہوئی۔اسی طرح شریعت یعقوب میں دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح درست تھا بعد میں اس کو حرام قرار دیا گیا۔حضرت اسماعیلؑ کیلئے اللہ نے پہلے ذبح کا حکم دیا پھر ذبح سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

قانون خواہ الٰہی ہو یا وضعی ہر ایک میں نسخ ضروری ہے کیوں اس مین انسانوں کیلئے مصلحتیں ہیں۔کوئی قانون کسی سبب کے تحت کوئی حکم نافذ کرتا ہے مگر جب سبب زائل ہوجاتا ہے تو اس حکم کو اٹھالیا جاتا ہے کیونکہ سبب کے زوال کے بعد اس حکم کو باقی رکھنا خلاف حکمت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے پہلے قربانیوں کے گوشت کے **ادخار** (جمع کرنا) سے منع فرمایا تھا مگر جب صحابہ میں معاشی خوشحالی آئی تو اس حکم کو منسوخ کر دیا اور قرآن میں شراب کی حرمت کے نزول میں تدریج درحقیقت اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔نسخ کبھی صریحی ہوتا ہے کبھی ضمنی کبھی کلی ہوتا ہے کبھی جزئی۔قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ایک مثال کو ذہن میں رکھنا کافی ہوگا۔

اللہ نے فرمایا،

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین والاقربین۔ (سورہ البقرہ:۱۸۰)۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مرتے وقت ماں باپ کیلئے ترکے میں وصیت کر سکتا ہے۔ پھر اللہ نے آیت میراث **یوصیکم الله فی الاولادکم** میں یہ حکم منسوخ کر دیا۔یہ آیت پہلی آیت کیلئے ناسخ ہے اور پہلا حکم منسوخ ہے اور جمہور کی رائے یہی ہے۔

ظہورِ مہدی

ظہور مہدی اسلامی عقیدہ کا ایک جزو ہے۔اس کے بارے میں احادیث نبویہ تواتر کے درجے تک پہونچ چکی ہیں۔ابن خلدون،حوت بیروتی،رشید رضا،فرید وجدی وغیرہ اور مشہور مستشرق گولڈ زیہر جیسے لوگوں نے ظہور مہدی کا انکار کیا ہے۔اور بڑے شدو مد کے ساتھ اسکی تردید کی کوشش کی ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰؑ ہی مہدی منتظر ہیں۔جبکہ اسلام میں وہ حضرت فاطمہؓ کی ذریت اور حسنؓ ابن علیؓ کی اولاد میں سے ہونگے۔ان کا نام محمد یا احمد ابن عبداللہ ہوگا۔وہ جب آئینگے تو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور ظلم وجور کا خاتمہ ہوجائے گا۔مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ہوگا۔مہدی کی پوری دنیا میں بطور خاص عرب پر سات سال حکومت رہے گی۔مہدی کی وفات کے بعد زمام خلافت حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں میں ہوگی۔اور انہی کے دور میں یاجوج وماجوج کا ظہور ہوگا اور انہی کی دعا سے یاجوج وماجوج ہلاک ہونگے۔

امام شوکانیؒ نے فرمایا کہ مہدی منتظر کے تعلق سے احادیث کی تعداد پچاس ہے۔جن میں کچھ صحیح،کچھ حسن درجہ کی اور کچھ ہلکی ضعیف ہیں۔یہ احادیث بلا شبہ تواتر کے درجہ تک پہونچتی ہے۔مہدی کے متعلق روایت کرنے والے صحابہ کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔اور اس کے تعلق سے کم بیش ۲۸ آثار بھی ہیں۔

مہدی یہ کوئی ذاتی نام نہیں ہوگا،بلکہ لغوی معنیٰ ''ہدایت یافتہ'' کے ہونگے۔ان کے ظہور کی حتمی کسی تاریخ اور دن کی صراحت نہیں ملتی۔ہاں اس وقت روئے زمین پر عدل وانصاف نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔چاروں طرف ظلم وجور اور جبر واستبداد کا دور دورہ ہوگا۔اس وقت لوگ مہدی کے منتظر ہونگے۔اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان انکی علامات دیکھ کر انہیں پہچان لیا جائے گا۔اور پھر ان پر بیعت کا سلسلہ جاری ہوجائے گا۔

اس وقت مسلم حکومت جس کا دار الخلافہ دمشق ہوگا اس کو اپنے خلاف بغاوت سمجھ کر مہدی سے لڑنے کے لئے نکلے گی۔اور مکہ سے پہلے ہی ایک مقام بیداء میں ایک آدمی کو چھوڑ کر سارا لشکر دھنس جائے گا۔(مسلم) وہی آدمی واپس جا کر اس واقعہ کی صحیح اطلاع دے گا۔پھر یہ خبر پوری دنیا میں پھیل جائیگی۔اور سب لوگوں کو یقین ہو

جائے گا کہ حقیقت میں مہدی منتظر یہی ہیں۔اور جوق در جوق چل کر لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔بیعت کی شروعات رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان سے ہوگی۔مہدی کو خود علم نہ ہوگا کہ وہ مہدی ہیں۔یہانتک کہ لوگ خود ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔وہ خود خلافت کے دعوے دار نہ ہونگے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہونگے اور اللہ تعالیٰ ان کی خلافت کا انتظام ایک ہی رات میں فرما دے گا۔(ابن ماجہ،حسن)

ابوسعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں،مہدی ہم میں سے ہونگے جن کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔(ابو نعیم فی کتاب المہدی وذکرہ المناوی فی فیض القدیر،وھو صحیح)

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ نبی ﷺ کی شریعت کے پابند بن کر اتریں گے۔کوئی نیا دین لے کر نہیں آئیں گے نہ ہی عیسائیت کے مبلغ ہونگے۔

☆☆☆☆☆

ضروری نوٹ:

کتاب ھذا میں کتابت کی غلطیوں کی ممکن حد تک تصحیح کی گئی ہے۔اگر آپکو مزید کوئی کتابت کی غلطی نظر آتی ہے تو آپ ہمیں itzmesalafi@gmail.com پر ضرور مطلع کریں۔آپ کی آراء ومشوروں کا خیر مقدم کیا جائیگا اور اگلی اشاعت میں ان اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ان شاءاللہ

(جلال الدین قاسمی ڈاٹ کام ٹیم)

ویب سائٹ: www.Jalaluddinqasmi.com

﴿مولف کی شائع شدہ کتب﴾

۱۔احسن الجدال بجواب راہ اعتدال

۲۔ردتقلید/ تقلید کی شرعی حیثیت (تخریج شدہ)

۳۔رفع الشکوک والاوہام بجواب۱۲مسائل۲۰لاکھ انعام

۴۔دل (قلب)

۵۔تفسیر آیت الکرسی

۶۔تفسیر سورہ اخلاص

۷۔عورت اور اسلام

۹۔پیارے نبی ﷺ کی پانچ پیاری نصیحتیں

۱۰۔مختصر تاریخ اہل حدیث

۱۱۔ **یا ایھا الذین آمنوا** کی تفسیر

۱۲۔حجیت حدیث دررد موقف انکار حدیث

﴿مولف کی زیر طبع کتب﴾

۱۔گناہوں کی بخشش کے دس اسباب

۲۔اپنے بندوں کے لئے اللہ کی ۱۰ وصیتیں

۳۔مقاصدِ تراجم ابواب بخاری

۴۔نکات قرآن (۲ جلدیں۔ایک ہزار صفحات)